محترم جناب مفتی صاحب!

میں نوافل بعد از مغرب کے متعلق جاننا چاہ رہا ہوں کہ اُن کی کیا حیثیت ہے؟ یہ وہ نوافل ہیں جو عوام میں اوابین کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا ثبوت ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے۔ مجھے حال ہی میں کسی نے بتایا کہ ابن ماجہ کی اُس روایت پر محدثین نے شدید تنقید اور رد کیا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات میں اس حدیث کے ضمن میں جو چند اقوال نقل کیے ہیں اُن کے مطابق بقول امام بخاری یہ روایت منکر ہے۔ امام احمد، امام یحیٰ بن معین اور دیگر نے اس کے ایک راوی عمر بن راشد کو انتہائی ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے اس روایت کا تذکرہ بھی ناجائز قرار دیا ہے کہ مذکورہ راوی امام مالک و دیگر پر روایات وضع کیا کرتا تھا۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عموماً حضرت ملا علی قاری ضعیف روایات کے وکیل سمجھے جاتے ہیں اور پوری کوشش کرتے ہیں کہ متقدمین کی درج کردہ ایسی روایات کو جن پر موضوع کی تہمت ہو انہیں ضعیف میں اور ضعیف روایات کو حسن میں داخل فرمادیں۔ اس کے باوجود اس روایت پر انہوں نے صرف محدثین کا تبصرہ بیان کرنے کے بعد خود کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ

۱۔ اس روایت کا مرتبہ علماء کے نزدیک کیا ہے؟ انتہائی ضعیف، ضعیف، موضوع، حسن یا کچھ اور؟

۲۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بعد از مغرب پڑھے جانے والے نوافل کی بنیاد کوئی اور حدیث ہو یا یہی حدیث دیگر طرق سے بھی مروی ہو؟ اگر ایسا ہو تو براہِ کرم حوالہ ضرور تحریر فرمائیے گا۔

۳۔ کیا کتب سیرت یا آثار سے کوئی ایسا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از مغرب یہ نوافل پڑھے ہوں یا صحابہ کرام نے ان پر مواظبت فرمائی ہو یا ان کی تاکید کی ہو، یا آئمہ احناف قبل از تدوینِ احادیث ان کے پابند ہوں یا قائل اور ناقل ہوں؟

۴۔ اگر ایسا کچھ نہیں تو پھر ہم بجائے ارشاد نبوی ﷺ سمجھنے کے یہ نوافل بطور عادت ہی ادا کرتے رہیں اس میں کوئی حرج تو واقع نہیں ہوگا؟

۵۔ مجھے کسی نے بتایا کہ تعامل امت بھی قول میں قوت فراہم کرتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا نبی ﷺ کا قول نا ہونے کے باوجود امت کے تعامل کے سبب ہم ان نوافل کو بارہ سالہ عبادت کے اجر کا سبب یقینی سمجھتے ہوئے ادا کر سکتے ہیں؟

۶۔ ہمارے اکثر اکابرین کو میں نے بعد از مغرب نوافل ادا کرتے دیکھا ہے تو کیا حدیث کے انتہائی ضعف کی صورت میں یہ بہتر ہوگا کہ میں صالحین کے طریقے کی اقتداء کی نیت سے یہ نوافل ادا کرلیا کروں؟

۷۔ کیا یہ حدیث بھی فضائل کی اُن احادیث میں شامل ہے جن کے ضعف کو بیان کیے بغیر حدیث کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں؟

امید ہے جلد از جلد جواب سے نوازیں گے میرا ای میل ایڈریس ہے khalidysf@hotmail.com

11-10-2011

دار الافتاء
فتوی نمبر ۱۷۰۰ / ۲۱

(جوابات منسلک ہیں)

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب حامداً ومصلياً

۱۔۔۔۔ نمازِ اوابین کے متعلق سنن ابن ماجہ میں مروی حدیث کے الفاظ یہ ہے:

حدثنا علي بن محمد قال: حدثنا أبو الحسين العكلي قال: أخبرني عمر بن أبي خثعم اليمامي قال: أنبأنا يحي بن أبي كثير، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن بن عوف، عن أبي هريرة، أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: «من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم بينهن بسوء، عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنة»(ج:۱ ص:۳۶۹،طبع داراحیاء ،رقم :۱۱۶۷)

پہلے دیگر کتب حدیث سے اس کی تخریج، اس کے بعد اس کے مرتبہ اور حکم کے متعلق تفصیل ملاحظہ ہو۔

تخریج حدیث:

مذکورہ حدیث ان ہی الفاظ کے ساتھ یا بہت ہی معمولی فرق کے ساتھ درج ذیل کتب حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے:

۱۔ سنن الترمذی، رقم الحدیث:۳۹۹

۲۔ صحیح ابن خزیمۃ، رقم:۱۱۳۴

۳۔ مسند أبي یعلی الموصلی، رقم:5975

۴۔ طبرانی، المعجم الأوسط، رقم:۸۳۶ ۷، (قال: لم یروہ إلا عمر بن عبد اللہ، تفرد بہ زید بن الحباب)

۵۔ مشیخۃ ابن البخاری، لطاھر الحنفی، رقم:۴۰۸ (مع الموافقۃ بعلو)

۶۔ مختصر قیام الیل للمروزی، رقم:۷۴

۷۔ الترغیب فی فضائل الأعمال لابن شاھین، رقم:۷۸

۸۔ فضل قیام الیل لأبي بکر الآجری، رقم:۳۲

وغیر ذلک من الکتب

مرتبہ حدیث:

تلاش اور تتبع بسیار کے بعد اس حدیث کے بارے میں محدثین کرام کے دو قول ملے ہیں، اکثر محدثین نے اسکو "ضعیف" قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو تخریج إحیاء العلوم للعراقی) جبکہ بعض محدثین نے اسے "ضعیف جدا" یعنی انتہائی ضعیف یا "منکر" کہا ہے، (ملاحظہ ہو تاریخ الإسلام للذھبی، ترجمۃ عمر بن خثعم)

لیکن کسی نے بھی اسے موضوع نہیں کہا ہے اور نہ ہی موضوع احادیث کی درج ذیل کتب میں ہمیں اس کا تذکرہ ملا ہے (ابن الجوزیؒ کی الموضوعات، ملا علی قاریؒ کی الموضوعات الصغری، علامہ ذھبیؒ کی تلخیص الموضوعات، شوکانیؒ کی الفوائد المجموعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ، طرابلسیؒ کی اللؤلؤ المرصوع فیما لا أصل لہ أو ما بأصلہ موضوع، وغیر ذلک من الکتب)

لہٰذا راجح یہ ہے کہ یہ حدیث "ضعیف" ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دراصل اس حدیث کا مدار "عمر بن عبد اللہ بن أبی خثعم" پر ہے، جن کے بارے میں أئمہ جرح وتعدیل کے درج ذیل اقوال ملتے ہیں:

قال ابن عدی ؛ منكر الحديث ، وبعض حديثه لا يتابع عليه
البيهقي : ذكره في كتاب شعب الإيمان ، وقال : منكر الحديث
أبو زرعة : واهي الحديث
أبو نعيم الاصفهاني : ذكره في الضعفاء ، وقال : روى عن يحيى بن أبي كثير وغيره مناكير
ابن حجر العسقلاني : قال في التقريب : ضعيف
ابن طاهر : ليس بشيء في الحديث
البخاري : ضعيف الحديث ، ذاهب ، ومرة : منكر الحديث
الدار قطني : ضعيف)

(ملاحظہ ہو: تھذیب الکمال للمزی، رقم الترجمۃ: ۴۲۶۵، ومیزان الاعتدال وتاریخ الاسلام للذھبی)

تاہم مذکورہ راوی کی تجریح وتضعیف میں ذکر کردہ تقریباً تمام اقوال کا مأخذ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غریب قرار دیکر اس راوی کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کا تبصرہ نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ اس راوی سے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کے درج ذیل اقوال ملتے ہیں:

ضعيف ،ذاهب الحديث ،متروك

ان کلمات میں سے کوئی بھی لفظ ایسا نہیں ہے جو شدید ضعف کا تقاضا کرتا ہو۔ بلکہ یہ سب مراتبِ جرح میں سے تیسرے مرتبے کے ہیں، جیسا کہ امام سخاویؒ شرح ألفیۃ العراقی میں لکھتے ہیں:

- وَذَاهِبٌ مَتْرُوكٌ أَوْ فِيهِ نَظَرْ ... وَسَكَتُوا عَنْهُ، بِهِ لَا يُعْتَبَرْ

۳۴۲ - وَلَيْسَ بِالثِّقَةِ ثُمَّ رُدَّا ... حَدِيثُهُ كَذَا ضَعِيفٌ جِدًّا

(وَبَعْدَهَا) أي: الْمَرْتَبَةِ، ثَالِثَةً بِالنِّسْبَةِ لِمَا ذَكَرْتُهُ، ... (وَ) فُلَانٌ (ذَاهِبٌ) ، أَوْ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ، وَفُلَانٌ (مَتْرُوكٌ) ، أَوْ مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ، أَوْ تَرَكُوهُ.

الرفع والتکمـ یل میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ سخاویؒ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد جرح کے اس مرتبے کا حکم یوں بیان کرتے ہیں:

وكل من قيل فيه ذلك من هذه المراتب الثلاث لا يحتج به ولا يستشهد به ولا يعتبر به(۱/۱۵۳)

دکتور محمود الطحان نے تیسیر مصطلح الحدیث میں اس کا حکم یوں لکھا ہے:

ب- وأما أهل المراتب الأربع الأخيرة، فلا يحتج بحديثهم، ولا يكتب، ولا يعتبر به.

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے ان کے متعلق "منکر الحدیث" بھی نقل کیا ہے(فی المیزان: وقال البخاري: منكر الحديث ذاهب.)جو اگرچہ مراتب جرح میں سے تیسرے مرتبے کا لفظ ہے جس کا حکم پیچھے گزر چکا، لیکن اس کلمہ کے استعمال سے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کی اصطلاح کی توضیح کرتے ہوئے صاحب مرعاۃ المفاتیح لکھتے ہیں:

(يقول هو) أي عمر. (منكر الحديث) هذا من ألفاظ الجرح، وهو في المرتبة الثالثة من مراتب ألفاظ الجرح فيما ذكره العراقي، لكن قد قدمنا في شرح حديث أبي هريرة في الفصل الثالث من باب آداب الخلاء أن البخاري إنما يطلق هذا اللفظ على من لا تحل الرواية عنه على ما صرح به السيوطي في التدريب (ص۱۲۷).(مرعاة المفاتيح،ج:۴ ص:۱۵۰)

تاہم بایں ہمہ فضائل کے باب میں یہ حدیث درج ذیل وجوہات کی بناء پر مقبول ہے:

(الف) فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کے مقبول ہونے کی تین شرائط (أن يكون الحديث مندرجا تحت أصل عام، أن يكون ضعفه غير شديد، أن يكون في فضائل الأعمال وما في معناها) اس حدیث میں پائے جاتے ہیں، کیونکہ یہ ایک مستحب عمل کی ایک زائد فضیلت کے متعلق ہے اور شرعا دیگر نصوص کی روشنی میں فی نفسہ نفل نمازوں کا باعث اجر وثواب ہونا ثابت ہے (۲) اس حدیث کے متعدد شواہد ہیں۔ نیز اس موضوع سے متعلق متعدد مرفوع وموقوف احادیث وآثار صحابہ مروی ہیں، جن میں سے کچھ سوال نمبر ۲ کے جواب میں درج ہے۔

(ج) مذکورہ حدیث مرفوعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے طور پر اگرچہ ضعیف ہے، تاہم بعض محدثین نے اسے موقوفا علی ابن عمرؓ صحیح قرار دیا ہے، علامہ ابن القیسرانی رحمہ اللہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

- «من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم بينهن بشيء. . .» الحديث.

رواه عمر بن راشد اليمامي، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة.

وعمر ليس بشيء، وهو الذي يقال له: عمر بن أبي خثعم.

ورواه محمد بن غزوان، عن عمر بن محمد، عن سالم، عن ابن عمر.

ومحمد هذا من أهل الشام، يقلب الأخبار، ويسند الموقوف، لا يحتج به، وهذا قول ابن عمر رفعه محمد هذا(ج:١ ص:٣٣١)

اور چونکہ کسی کام پر زیادہ ثواب کا ملنا ممالا یدرک بالقیاس کے قبیل سے ہے اس لئے اس میں موقوف کو بھی حکما مرفوع حدیث کا درجہ دیا جائے گا۔

۲۔۔۔ اس موضوع پر مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ دیگر احادیث وآثار بھی وارد ہوئی ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(الف) المعجم الصغير للطبراني :

(٩٠٢ [٣٨] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ مَنْدَهَ الأَصْبَهَانِيُّ ، حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ قَطَنٍ الْبُخَارِيُّ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ ، حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ جَدِّي ، قَالَ : رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ، فَقُلْتُ : يَا أَبَتِ، مَا هَذِهِ الصَّلاةُ؟، فَقَالَ : رَأَيْتُ حَبِيبِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ " صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ، وَقَالَ : مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ، وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ " ، لا يُرْوَى عَنْ عَمَّارٍ، إِلا بِهَذَا الإِسْنَادِ، تَفَرَّدَ بِهِ صَالِحُ بْنُ قَطَنٍ

اس حدیث کی سند میں اگرچہ کچھ مجاہیل ہیں، لیکن یہ بھی فی نفسہ قابل قبول ہے۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے بھی اسے ماقبل والی حدیث سے اصلح قرار دیا ہے۔ ابو نعیم نے تاریخ اصفہان میں اس حدیث پر درج ذیل تبصرہ کیا ہے:

تاريخ اصفهان لأبي نعيم :

الحكم على السند:إسناد ضعيف فيه صالح بن قطن وهو مجهول ، ومحمد بن عمار العنسي وهو مجهول ، وعمار بن محمد العنسي وهو مجهول

(ب) الترغیب للمنذری میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

٨٣٣ - «مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَهُوَ كَالْمُعَقِّبِ غَزْوَةً بَعْدَ غَزْوَةٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ» .

رَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

وَعَبْدُ اللَّهِ هَذَا مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ.

(ج) سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ

١٣٧٣ - حدثنا أحمد بن منيع قال: حدثنا يعقوب بن الوليد المديني، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من صلى، بين المغرب والعشاء، عشرين ركعة بنى الله له بيتا في الجنة»

اسکی سند میں ایک راوی "یعقوب" کی علماء نے شدید تضعیف کی ہے، محمد فؤاد عبد الباقی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

في الزوائد في إسناده يعقوب بن الوليد اتفقوا على ضعفه. قال فيه الإمام أحمد من الكذابين الكبار وكان يضع الحديث.

(د) بعض مفسرین نے قرآن کی آیت

{تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ}

کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھنا ہے، علامہ مقدسی رحمہ اللہ "فضائل الأعمال" میں باب فضل الصلاۃ بین العشائین میں روایت کرتے ہیں

٧٩- عَن أنس بن مَالك رَضِي الله عَنهُ فِي هَذِه الْآيَة {تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ} قَالَ: "كَانُوا يتيقظون مَا بَين الْمغرب وَالْعشَاء يصلونَ

(ہ) علامہ منذری رحمہ اللہ نے الترغیب والترہیب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

٨٦٥- وَعَن الْأسود بن يزِيد رَضِي الله عَنهُ قَالَ قَالَ عبد الله بن مَسْعُود رَضِي الله عَنهُ نعم سَاعَة الْغَفْلَة يَعْنِي الصَّلَاة فِيمَا بَين الْمغرب وَالْعشَاء و رَوَاهُ الطَّبَرَانِيّ فِي الْكَبِير من رِوَايَة جَابر الْجُعْفِيّ وَلم يرفعهُ

(باب الترغيب فى الصلاة بين المغرب والعشاء)

(و) الترغیب ہی میں مکحولؒ سے مرسلاً و بلاغاً یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ:

۸۲۶ - وَعَن مَكْحُول رَضِي الله عَنهُ يبلغ بِهِ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ
من صلى بعد الْمغرب قبل أَن يتَكَلَّم رَكْعَتَيْنِ
وَفِي رِوَايَة أَربع رَكْعَات رفعت صلَاته فِي عليين
ذكره رزين وَلم أره فِي الْأُصُول

(ز) امام غزالی نے إحياء العلوم میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

(من صلى بين المغرب والعشاء فإنها من صلاة الأوابين)

اس کی سند پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ عراقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ابن المبارك في الرقائق من رواية ابن المنكدر مرسلا (المغنى للعراقى ،ج:۱ ص:۱۴۹)

(ح) نیز نسائی کے حوالے سے سند جید سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد سے عشاء تک نماز میں مشغول رہے۔

۸۲۸ - وَعَن حُذَيْفَة رَضِي الله عَنهُ قَالَ أتيت النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم
فَصليت مَعَه الْمغرب فصلى إِلَى الْعشَاء
رَوَاهُ النَّسَائِيّ بِإِسْنَاد جيد

(ط) علامہ قاسم بن قطلوبغاؒ "التعريف والإخبار بتخريج أحاديث الاختيار" میں لکھتے ہیں:

عن أنس أنه كان يصلى ما بين المغرب والعشاء ،ويقول إنه ناشئة الليل،أخرجه ابن أبى شيبة،وأخرج عن ابن عمر أنه قال:صلاة الأوابين مابين أن يلتفت أهل المغرب إلى أن يثوب إلى العشاء، (ج:اص:۶۴۵)

ان احادیث میں سے اگر چہ اکثر احادیث سنداً ضعیف ہیں، لیکن تعدد طرق وشواھد کی بناء پر ان میں مجموعی طور پر اتنی قوت آجاتی ہے کہ فضائل کے باب میں ان پر عمل کیا جاسکے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والآيات والأحاديث المذكورة في الباب تدل على مشروعية الاستكثار من الصلاة ما بين المغرب والعشاء، والأحاديث وإن كان أكثرها ضعيفا فهي منتهضة بمجموعها لا سيما في فضائل الأعمال، (نيل الأوطار ،ج:۳ص:٦٦)

اسی طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاة المفاتیح میں فرماتے ہیں:

قلت ينافيه ما تقدم أنه رواه ابن خزيمة في صحيحه مع أنهم أجمعوا على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال(ج:۴ص :۲۸۳)

۳۔۔۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو عملی طور پر اس خاص تعداد میں ان نوافل کی ادائیگی کا ثبوت ہمیں نہیں ملا۔ تاہم اوپر نسائی کے حوالے سے ذکر کردہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت (کہ ایک مرتبہ وہ مغرب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء تک نماز میں مشغول رہے) سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد نوافل کا اہتمام فرماتے تھے۔

نیز احیاء العلوم میں امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

وهي سنة مؤكدة ومما نقل عدده من فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بين العشاءين ست ركعات

البتہ انہوں نے اس کا کوئی مأخذ ذکر نہیں کیا ہے۔

نیز مرقاۃ المفاتیح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد بیس رکعات نفل پڑھا کرتے تھے۔ لکھتے ہیں:

وقال ابن حجر وفيها حديث آخر وهو أنه عليه السلام كان يصليها عشرين ويقول هذه صلاة الأولين فمن صلاها غفر له وكان السلف الصالح يصلونها(۲۸۳/۴)

رہا صحابہ اور تابعین، تو ان میں بہت سے حضرات سے ان نوافل کی پابندی ثابت ہے، علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے علامہ عراقیؒ کے حوالے سے ان صحابہؓ، تابعین اور ائمہ کرامؒ کی فہرست نقل کی ہے، کہ:

قال العراقي: وممن كان يصلي ما بين المغرب والعشاء من الصحابة عبد الله بن مسعود وعبد الله بن عمرو وسلمان الفارسي وابن عمر وأنس بن مالك في ناس من الأنصار

ومن التابعين الأسود بن يزيد وأبو عثمان النهدي وابن أبي مليكة وسعيد بن جبير ومحمد بن المنكدر وأبو حاتم وعبد الله بن سخبرة وعلي بن الحسين وأبو عبد الرحمن الحبلي وشريح القاضي وعبد الله بن مغفل وغيرهم. ومن الأئمة سفيان الثوري(نيل الأوطار ۔۶۸/۳)

نیز ملا علی قاری نے اسی سلف صالحین کا طریقہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے؛

وكان السلف الصالح يصلونها (مرقاة۲۸۳/۴)

۴۔۔۔چونکہ یہ نوافل مندوبات اور مستحبات کے قبیل سے ہیں اور اوپر ذکر کردہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث دیگر احادیث کے مجموعہ سے ملکر مسئلہ ہذا میں قابل قبول ہے اس لئے اس کے پیش نظر کوئی ان کی پابندی کرے تو یہ باعثِ اجر وثواب ہے۔ لیکن دوسری جانب چونکہ یہ احادیث انفرادی طور پر ضعیف ہیں اس لئے اگر کوئی شخص ان فضائل کو مانے بغیر محض ثواب کی نیت سے اس کی پابندی کی عادت بنائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ شرعی حدود کا خیال رکھتے ہوئے اسے محض مستحب ہی کے درجے میں رکھے اور ان کے ادا نہ کرنے والوں پر کوئی نکیر بھی نہ کرے۔

۵۔۔۔امت کے سلف صالحین کا اگرچہ اس پر تعامل رہا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ خاص بارہ سال عبادت کے ثواب کے پیش نظر ایسا کرتے ہوں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ ان کے سامنے اس کے دیگر وجوہات اور محرکات ہوں۔اس لئے محض ان کے تعامل کی وجہ سے ان چھ رکعات کو بارہ سالہ عبادت کے ثواب کا یقینی سبب سمجھنا تو درست نہیں ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مذکورہ بالا ثواب اور احادیث میں ذکر کردہ دیگر فضائل کے حصول کی امید پر ان کا اہتمام کرنا درست ہے۔

۶۔۔۔اوپر مفصلاً بیان ہوچکا کہ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال کے باب میں حدیث ضعیف کے مقبول ہونے کی تین شرائط موجود ہونے کی وجہ سے اس پر عمل درست ہے۔ اس لئے آپ اس حدیث کے پیش نظر یا سلفِ صالحین کی اتباع کی نیت سے اس کی پابندی کریں آپ کو انشاء اللہ اس کا ثواب ملنے کی قوی امید ہے۔

۷۔۔۔چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اور عمل کی حد تک شرعاً معتبر ہے اس لئے روایت کرتے وقت اس کے ضعف کی تصریح کرنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت نہ کی جائے، بلکہ یوں کہا جائے کہ روایت میں آیا ہے یا روایت کیا گیا ہے وغیرہ۔

لمافی الوسیط فی علوم الحدیث :۱/۲۲۳

"حكم الحديث الضعيف رواية وعملا":

الحديث الموضوع أو الساقط أو الذي لا أصل له لا تجوز روايته إلا مقرونًا ببيان وضعه، أو سقوطه، أو أنه لا أصل له، ومن روى شيئًا من ذلك من غير بيان، وهو يعلم، فهو آثم أشد الإثم كما أنه لا يجوز العمل بالموضوع، وما شاكله قط لا في الحلال والحرام، ولا في باب الترغيب والترهيب، والقصص والمواعظ، ولا في التفسير؛ لأنه مختلق مكذوب فمن عمل به، فقد زاد في الشرع ما ليس منه.

أما الضعيف الذي لم يصل إلى حد السقوط والوضع، وهو الضعيف المحتمل فقد اختلفت فيه أنظار العلماء وإليك آراءهم في هذا:

قال ابن الصلاح: يجوز رواية ما عدا الموضوع من أنواع الأحاديث الضعيفة، من غير اهتمام ببيان ضعفها فيهما سوى صفات الله تعالى وأحكام الشريعة من الحلال والحرام وغيرهما, وذلك كالمواعظ والقصص، وفضائل الأعمال, وسائر فنون الترغيب والترهيب, وسائر ما لا تعلق له بالأحكام والعقائد1.

ومقتضى ذلك العمل به فيما ذكر قال: وممن روينا عنه التنصيص على التساهل في نحو ذلك عبد الرحمن بن مهدي، وأحمد بن حنبل رضي الله عنهما.

والمراد بفضائل الأعمال: الأعمال الفاضلة الثابتة قبلُ بالأحاديث الصحيحة, بمعنى أنه إذا ورد حديث ضعيف دال على ثواب مخصوص من الأعمال الثابتة قبل, فإن أصل العمل ثابت استحبابا من دليل آخر, ولم يثبت بالضعيف إلا الثواب المرتب على هذا العمل, وحينئذ لم يثبت حكم شرعيٌ بالحديث الضعيف.

وفي شذا الفياح من علوم ابن الصلاح :١م١٣٢

الثاني: يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد ورواية ما سوى الموضوع من أنواع الأحاديث الضعيفة من غير اهتمام ببيان ضعفها فيما سوى صفات الله تعالى وأحكام الشريعة من الحلال والحرام وغيرهما.

وذلك كالمواعظ والقصص وفضائل الأعمال وسائر فنون الترغيب والترهيب وسائر ما لا تعلق له بالأحكام والعقائد وممن روينا عنه التنصيص على التساهل في نحو ذلك عبد الرحمن بن مهدي وأحمد بن حنبل.

الثالث: إذا أردت رواية الحديث الضعيف بغير إسناد فلا تقل فيه: قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا وما أشبه هذا من الألفاظ الجازمة بأنه صلي الله عليه وسلم قال: ذلك وإنما تقول فيه روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا أو بلغنا عنه كذا وكذا أو ورد عنه او جاء عنه أو روى بعضهم وما أشبه ذلك.

وهذا الحكم فيما تشك في صحته وضعفه وإنما تقول قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم- فيما ظهر لك صحته بطريقة الذي أوضحناه أولا. انتهى

وفي توجيه النظر إلى علوم الأثر: ٢م٦٥٣

وقد ذكر الحافظ ابن حجر أن للأخذ بالحديث الضعيف في الفضائل ونحوها عند من سوغ ذلك ثلاثة شروط

أحدها أن يكون الضعيف غير شديد الضعف فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه

وقد نقل بعضهم الاتفاق على ذلك

الثاني أن يندرج تحت أصل معمول به

الثالث أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط وقد ذكر هذين الشرطين ابن عبد السلام وابن دقيق العيد. والله سبحانه وتعالى أعلم بالصواب

كليم الله

بنده كليم الله عفى عنه

دارالافتاء جامعه دارالعلوم كراچی

۱۴۳۲/۱۲/۲۷ھ

۲۰۱۱/۱۱/۲۴ء

الجواب صحیح

احقر محمود اشرف غفرالله له

۱۴۳۲/۱۲/۲۷

مفتی

الجواب صحیح

۲۹/۱۲/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح

۲۹/۱۲/۳۲ھ

دار الافتاء